الغدیر

علامہ امینی

تمام مسلمانوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حجۃ الوداع سے واپسی پر رسول اکرم نے غدیرخم کے مقام پر مسلمانوں کو مخاطب کرتے ہوئے حضرت علیؑ کی ولایت کا اعلان کیا تھا اور تمام سنی و شیعہ علماء کا متفقہ فیصلہ ہے کہ عید غدیر مسلمانوں کے درمیان آپسی اتحاد کی زمین ہموار کرتی ہے۔ واضح رہے کہ علامہ امینی نے اپنی گرانقدر تصنیف ''الغدیر'' میں عید غدیر کے ان پہلوؤں کا تذکرہ کیا ہے جن کی روشنی میں اسلامی اتحاد اور اخوت و برادری کو فروغ دیا جاسکتا ہے۔ عید غدیر کی چودہ سو سالہ یادگار کے موقع پر یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ''الغدیر'' نامی کتاب کا اجمالی تعارف قارئین کی خدمت میں پیش کردیا جائے۔

''بار امانت'' جسے آسمان نہ اٹھا سکا شاید اس کا ایک مفہوم حق کی حمایت، قیام حق کے لئے جد و جہد اور حق کو بلند و بالا کرنا ہے۔

تاریخ کے طویل دور میں ایسے عظیم اشخاص بھی گذرے ہیں جن لوگوں نے جب اپنے گرد و پیش حقائق و واقعات کا موازنہ کیا تو وہ نہ صرف حق پر کاربند رہے بلکہ مظہر حق بھی ثابت ہوئے، حق نے بھی ان کا ساتھ دیا اور انہی کے اطراف میں وہ گردش کرتا رہا۔ یہ انسان آب وگل سے ماوراء دنیا اور عالم عینیت میں پیکر حق نیز عین حق بن کر رہے مگر اس کے باوجود ہمیشہ ایسا نہیں ہوا کہ عوام ان پیکران حق وحقیقت کی پیروی کرسکیں اور اپنے ادوار کے معاشروں کا سردار قرار دے کر قیادت کی لگام ان کے ہاتھ میں سونپ دیں نیز ان کے بلند و عالی مرتبت ارادوں کو حقیقت سے ہمکنار کردیں۔

یہ ایک عام مشاہدہ ہے کہ ایسی بزرگ ہستیوں کا وجود حق و عدل اور فضیلت کا مجسمہ بن کر رہا ہے مگر اس کے باوجود ہمیشہ ایسا نہیں ہوا کہ وہ ہر جانب کامیابی و کامرانی سے بہرہ مند رہے ہوں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمیشہ اور ہر دور میں ایسی شخصیتیں اور طاقتیں بھی گذری ہیں جنہوں نے ان برگزیدہ ہستیوں اور اصحاب فضیلت افراد کی راہ و روش کو اپنی خواہش و مرضی، ظلم و تعدی اور گمراہیوں کے

مطابق نہیں پایا۔ اس نوع وقسم کے افراد وگروہ کو نہ صرف تائید حق اور حقیقت کے ان واضح و روشن اور بے تردید مجسموں سے کوئی تعلق و سروکار نہ تھا بلکہ وہ مختلف حیلے اور بہانوں سے ان کے مد مقابل آئے اور یہ کوشش کرتے رہے کہ ان حق وعدل کے مجسموں کو برطرف کردیں اور ان پر اتہام و الزام لگا کر انہیں عوام کے سامنے سے ہٹادیں تاکہ یہ تن تنہا اور بے یار و مددگار رہ جائیں۔ جب ایسے حالات و واقعات پیش آتے ہیں تو تاریخ کی عظیم مظلوم شخصیتوں کے چہرے نمایاں ہوتے ہیں اور اس وقت حقائق نیز عظیم حقیقتوں کا چہار راہوں اور گذرگاہوں پر نعرہ هل من ناصر ينصرنا (ہے کوئی جو میری مدد کے لئے آئے) بلند ہوتا ہے۔

اسلام میں حق کا اعلیٰ و اکمل اور بدرجۂ اتم مجسمہ حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام ہیں۔ یہ ان کی ہی ذات ہے جس میں تمام اسلامی حق نمایاں ہوئے فضیلتیں حقیقت پذیر اور صاف و شفاف طور پر جلوہ گر و مجسم ہوگئی ہیں وہ حق کا مدار ومحور ہیں۔ یہ علیؑ ہی ہیں جن کی محبت بدرجۂ ایمان ہے اور ان سے بغض وعناد کفر و نفاق کی علامت ہے۔ حضرت علیؑ کی راہ و روش ہی، اسلام قرآن اور پیغمبر اکرمؐ کی راہ و روش ہے۔ حق خواہ کسی حالت وشکل میں ہو علی کے ساتھ ہے درحقیقت وہی محور حق ہیں۔ اور حق ان کے گرد و پیش گرداں نظر آتا ہے۔ حضرت علی علیہ السلام کے بارے میں رسول اکرم حضرت مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا قول ایک امر مسلمہ ہے، چنانچہ فرماتے ہیں: علیؑ مع الحق و الحق مع علی۔

اور چونکہ یہ عین حق ہی حق وحقوق اور عدل وفضیلت ہے لہٰذا اس کے تعارف و شناسائی کے فریضہ کو انجام دینا ہر ایک عارف حق کا فرض ہے۔

اس موقع پر ہماری حق دوستی، فضیلت خواہی، آزادی شرف انسانی و تاریخی عزت اور اجتماعی ضمیر کا تقاضہ تو یہ ہے کہ ہم ہمیشہ ان لوگوں کی حمایت و جانبداری کریں جو حق کی خاطر نبرد آزما ہوئے اور حق کی سرحدوں کے دفاع کے لئے صف بستہ رہے ہیں۔ ان کا نام تعظیم سے لیں۔ ان کی یاد کو اپنے دلوں میں زندہ رکھیں اور ان کے نام کو زندہ جاوید بنادیں تاکہ وہ فہرست جس میں پاسبان سرحد کے لافانی بہادرانہ کارنامے مندرج ہوں زیادہ عظیم وطویل ہوسکے اور ہمارا بھی شمار ان لوگوں میں ہو جو حق دوست، فضیلت خواہ اور آزادگان کے نام سے مشہور ومعروف ہیں۔

ان حقائق کے پیش نظر ہم دیکھتے ہیں کہ انسانی تاریخ میں یہ تین اصل روشیں کارفرما نظر آتی ہیں۔

۱- حق و پیکران حق
۲- پیکران حق کے حامی و طرفدار
۳- طرفداران حق کی تعظیم

اور ایک با فضیلت یا فضیلت دوست، انسان کو چاہئے کہ وہ کوشش کرے کہ اسے کم از کم صف سوم میں جگہ مل جائے اور جو مقدس فرض تیسرے گروہ کے شانوں پر ہے، اسے وہ انجام دے۔ وہ اگر خود تجسم حق نہیں کیونکہ یہ ایک مخصوص مقام ہے، حق اور حق پرستوں کا حامی و طرفدار بھی نہیں اور وہ بھی حق کی امان و پناہ میں بھی نہ رہا اور اب بھی نہیں ہے تو کم از کم تیسری صف میں قائم رہے اور اپنے وجود میں اس جذبہ و کشش کو پیدا کرے اور خود کو جاودانی عشق کے ان سرکش شعلوں میں گرم و تاباں رکھے کیونکہ:

عاشق شو ورنہ روزی، کار جہان سر آید ناخواندہ نقش مقصود از کارگاہ ہستی

یعنی عاشق ہو ورنہ ایک دن ایسا بھی آئے گا جب کہ دنیا کے تمام کاموں کا خاتمہ ہوجائے گا اور جب تو اس کارگاہ ہستی یعنی دنیا سے جائے گا تو یہ جانے گا کہ جو مقصد لے کر آیا تھا اس کی تکمیل نہ ہوئی۔

حضرت علی کا حق چونکہ حق انسانیت کا مطلق اور مطلق انسانیت ہے اسی لئے اس کے تحفظ و دفاع کی خاطر لوگوں نے جان کی بازی لگادی ہے روز اول سے آج تک ایسے عظیم معرکے ہوتے چلے آئے ہیں جن میں شہداء نے اپنے خون اور علما نے قلم کی روشنائی سے اس نمائندہ قرآن کا دفاع کیا ہے۔ تاریخ کے ہر دور میں اور آج بھی ہماری قوم اس امر کے لئے کوشاں رہی ہے کہ قرآن نے جن آرزوؤں اور نہج البلاغہ نے جن تمناؤں کا اظہار کیا ہے وہ حقیقت پذیر ہوں اور آرزوؤں اور تمناؤں کو بار ور کرنے کے لئے انہوں نے تاریخ ساز انقلاب بپا کئے۔ چنانچہ ۱۵/ خرداد ۱۳۴۲ (۵/ مئی ۱۹۶۳ء یوم خونی انقلاب) اور ۱۷/ شہریور ۱۳۵۸ھ ش (۸/ ستمبر ۱۹۷۹ء حریت پسندوں کے قتل عام کا دن) انہی انقلابات کے دو یادگار دن ہیں۔

اسی طرح علمائے دین بھی اس مقدس فرض کو انجام دینے کے لئے ہمیشہ پیش پیش رہے۔ انہوں نے اس خاطر جہاد کیا اور جہاد کے ذریعہ ہی وہ اس کا دفاع کرتے رہے اس صدی کے انہی راست کردار و باعظمت وفرض شناس علما میں "الغدیر" نامی عظیم کتاب کے مصنف حضرت علامہ امینی مجاہدین حق و فضیلت کے دفاع کا مجسمہ اور صدر اسلام میں حضرت علی کے یاران باوفا کی شفقت و

جانثاری کا نمونہ تھے۔ جناب علامہ امینی مجاہدین حق وفضیلت کی صف اول میں آتے تھے۔ تشیع کے حلقۂ علما میں جو سربرآوردہ افراد گذرے ہیں ان میں وہ درجۂ نبوغ پر پہنچ گئے تھے اور انہوں نے ہی از سرنو معیاروں کو قدر و قیمت بخشی۔

علامہ امینی کے نبوغ کا خلاصہ یہ کہہ کر بیان نہیں کیا جاسکتا کہ وہ علم دانش سے سرشار تھے۔ وہ ایمان عمیق، حیرت انگیز استقامت، تقویٰ کامل، قاطعیت منطق، یقین مطلق، سوزگفتار، جوش اصلاح اور درستی افکار میں واقعی غیر معمولی ذہین نابغہ تھے۔ علامہ امینی وہ حقیقی دانشمند تھے جو اپنی وجدان عظیم ذمہ داریوں پر عمل پیرا رہے۔ ''امینی'' وہ عظیم مصنف ہیں جنہوں نے دفاع حق کے سوا کچھ نہیں لکھا۔

علامہ عظیم المرتبت جناب شیخ عبدالحسین امینی کی ولادت ۱۳۲۵ھ ق (۱۲۸۱ھ ش / ۱۹۰۲ء) میں بمقام شہر تبریز ہوئی۔ غیر معمولی ذہانت کے آثار ان کی ذات میں بچپن سے ہی اس طرح نمایاں تھے کہ گفتگو میں ہی عظمت و بزرگواری نظر آتی تھی اور انداز فکر میں بھی یہی کیفیت جلوہ گر تھی۔ اپنے ہی وطن میں ابتدائی، متوسط اور اعلیٰ تعلیمی مدارج طے کرنے کے بعد مزید اعلیٰ تعلیم کی تکمیل کے عشق سے اور فقہ و اصول نیز علوم اسلامی کے دیگر مراحل و مدارج طے کرنے کی خاطر بارگاہ امیر المؤمنین نجف اشرف کی جانب روانہ ہوئے اور آیات عظام فیروز آبادی، خوانساری، نائینی، میرزا علی ایروانی جیسے عظیم المراتب اساتذہ کے حلقۂ درس سے محظوظ و فیضیاب ہوئے۔

دورۂ علمی کی تکمیل کے بعد وہ واپس اپنے وطن تبریز گئے اور کاروباری امور میں مشغول ہوگئے لیکن شاہ ولایت علی مرتضیٰ کی محبت اس امر کا باعث ہوئی کہ دوبارہ مرقد پاک علی کی زیارت سے مشرف ہوئے اور اس مرتبہ اسی دیار میں ہمیشہ کے لئے سکونت اختیار کرلی۔

یہی وہ زمانہ ہے جب کہ ان کی علمی تحقیقات کا آغاز ہوا وہ عمر میں ابھی ۳۵ سال کے بھی نہ تھے کہ ان کی پہلی تصنیف ''شہداء الفضیلہ'' شہر نجف کے ایک عظیم علمی مرکز کی جانب سے شائع کی گئی۔ یہ کتاب ان ۳۵ عالی مرتبہ شیعہ دانشوروں کی سوانح حیات پر مشتمل ہے جنہوں نے راہ اسلام میں جام شہادت نوش کیا۔ علامہ امینی کی تحقیقات اور مطالعات کا سلسلہ جاری رہا اور ایک سال بعد ان کی دوسری تصنیف منظر عام پر آئی۔ چنانچہ ان کی تصانیف پر مشتمل بیس رسالے مطبوعہ اور غیر مطبوعہ شکل میں اب بھی موجود ہیں۔

''الغدیر'' در اصل ساکت و پرسکون تالاب سے جاری پانی کی مسلسل روانی ہے اور سکوت و

خاموشی کے کنارے پر ایک بے چین و پرتلاطم موج۔

علامہ امینی نے ''کتاب الغدیر'' کی تکمیل کے لئے معتبر دستاویزات اور اسناد جمع کرنے کی خاطر مختلف ممالک اور دور و دراز مقامات پر واقع شہروں کے سفر کئے اور جہاں بھی وہ گئے وہاں سے بے مراد واپس نہ آئے۔ لیکن ان کاموں کا صلہ چونکہ انتہائی بلند تھا اسی لئے انہیں یہ پسند نہ آیا کہ صرف وہی اس سرچشمہ فیض سے سرشار ہوں اور دوسرے محروم رہ جائیں۔ انہوں نے ایک بہت ہی عالیشان کتابخانہ ''مکتبۃ الامام الامیر امین العامۃ'' کے نام سے قائم کیا۔ اس خیال کے پیش نظر کہ محققین کی راہ سے مشکلات کو دور کردیں انہوں نے خود بہت زیادہ تکالیف برداشت کیں اور بہت زیادہ رنج و زحمات کے متحمل ہوئے اور بالآخر نجف اشرف میں ایسا کتابخانہ قائم کردیا جس کا شمار انتہائی قابل قدر و بیش قیمت اسلامی کتابخانوں میں ہوتا ہے۔

انہوں نے ستر سال کی عمر میں راہ آخرت کا سفر اختیار کرتے ہوئے عالم بقا کی راہ لی۔ خدا انہیں جوار رحمت میں جگہ دے۔ علامہ امینی ان بزرگ انسانوں میں سے تھے اور اب بھی ہیں جنہیں فنا نہیں۔ ان کی یادتازہ کرنے والوں پر ان کے نقوش مرتسم ہیں اور ان کا نام زمانے کی عمیق سطح تک پہنچ گیا ہے۔ جب تک عشق علی زندہ ہے اور غدیر باقی ہے تو کتاب الغدیر بھی زندہ و گویا رہے گی۔

اس قابل قدر کتاب کے باعث عالم اسلام میں ایک نئی لہر دوڑ گئی ہے۔ اسلامی مفکرین نے ادبی، تاریخی کلامی، حدیثی، تفسیری اور معاشرتی زاویوں اور پہلوؤں سے اس کتاب پر نظر ڈالی، چنانچہ معاشرتی زاویہ سے اس کتاب میں جو چیز قابل دید ہے وہ ''اسلامی وحدت'' ہے۔

ہمارے دور کا مصلح، روشن فکر اور دانشمند طبقہ اس خیال کا حامی ہے کہ مسلمانوں کے مختلف فرقوں کے درمیان بالخصوص اس وقت جب کہ موجودہ حالات میں دشمنان اسلام کی ہر طرف سے یورش و یلغار جاری ہے اور مسلسل نئے نئے طریقوں سے گذشتہ خیالات کو ہوا دی جارہی ہے اور جدید اختلافات کو ابھارا جارہا ہے۔ اس وقت اسلامی اتحاد و یگانگت کی اشد ضرورت ہے۔ بنیادی طور پر ہم یہ تو جانتے ہی ہیں کہ دین مقدس اسلام میں وحدت و اخوت کی جانب خاص توجہ دی گئی ہے اور اسلام کے اہم مقاصد میں سے یہ ایک ہے۔ چنانچہ قرآن، سنت پیغمبر اور اسلامی تاریخ اس امر کے شاہد ہیں۔

اسی لئے بعض لوگوں کے ذہنوں میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ ''الغدیر'' جیسی کتاب کی تالیف و

طباعت جس میں مسلمانوں کے قدیم ترین اختلاف کو بھی مورد بحث قرار دیا گیا ہے۔ کیا حضرت علی کے مقدس مقاصد اور اسلامی وحدت کے افکار عالیہ کی راہ میں مانع نہیں آئی۔

یہاں ہم اس بات کی ضرورت محسوس کرتے ہیں کہ وحدت اسلامی اور اس کے حدود کے مفہوم کو واضح و روشن کریں اور اس کے بعد اس امر کی صراحت کریں کہ جلیل القدر علامہ امینی کی قابل قدر کتاب "الغدیر" نے کیا کردار ادا کیا ہے۔

اسلامی وحدت

پہلا سوال تو یہی ہے کہ اسلامی وحدت سے مراد کیا ہے؟ کیا اس کا یہ مقصد ہے کہ اسلام میں جتنے فرقے موجود ہیں ان میں سے کسی ایک کا انتخاب کرلیا جائے، اور دیگر تمام فرقوں کو نظر انداز کردیا جائے؟ یا اس کا یہ مقصد ہے کہ ان تمام فرقوں میں جو چیزیں مشترک ہیں ان کو تو اخذ کرلیا جائے اور تمام متفرقات کو پس پشت ڈال دیا جائے اور ایسے نئے فرقے کی تشکیل کی جائے جس کی ان تمام فرقوں میں کسی سے مطابقت نہ ہو؟ یا اسلامی وحدت کا کسی بھی صورت میں تمام فرقوں کی وحدت سے کوئی ربط و تعلق نہیں؟ اور یا اتحاد المسلمین سے مراد یہ ہے کہ اختلافات مسلک کے باوجود تمام فرقے اغیار کا مقابلہ کرنے کی غرض سے متحد ہوجائیں؟

اتحاد مسلمین کے مخالفین اسلامی وحدت کے مفہوم کو غیر منطقی اور ناقابل عمل بنانے کی غرض سے اس کی توجیہ، تمام فرقوں کی یکانگی، کے نام سے پیش کرتے ہیں تاکہ پہلے ہی قدم پر یہ تحریک شکست سے دوچار ہوجائے۔ یہ تو ظاہر ہے ہی کہ روشن فکر طبقہ مسلمین کا ہرگز یہ مقصد نہیں کہ تمام مسالک کا ایک مسلک میں احاطہ کرلیا جائے یا تمام مسالک کے مشترکات کو تو اخذ کرلیا جائے اور متفرقات کو رد کردیا جائے۔ کیوں کہ یہ بات نہ تو معقول و منطقی ہے اور نہ ہی مطلوب و عملی۔ اس دانشور طبقہ کا اصل مقصد تو یہ ہے کہ مسلمین اپنے مشترک دشمنوں کے خلاف خود کو اس طرح منظم کریں کہ وہ ایک صف میں آراستہ ہوجائیں۔

اس دانشور طبقہ کا کہنا تو یہ ہے کہ اسلام میں اتحاد و موافقت کا بہت زیادہ مواد موجود ہے۔ کیونکہ تمام مسلمان ایک ہی خدا کی عبادت کرتے ہیں۔ رسول اکرم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کی نبوت کے سب ہی معترف ہیں۔ سب کی مقدس کتاب قرآن اور سب کا قبلہ کعبہ بیت اللہ

ہے کہ سب ایک ساتھ مل کر ایک ہی طرح حج کرتے ہیں۔ ایک ہی طرح نماز پڑھتے ہیں اور ایک ہی طریقے سے روزہ رکھتے ہیں وہ ایک ہی طور پر اپنے خاندان کی تشکیل بچوں کی تعلیم و تربیت اور باہمی لین دین کرتے ہیں۔ سب ہی اپنے مُردوں کو دفن کرتے ہیں اور چند جزئی امور کے علاوہ ان کے ان کاموں میں کوئی فرق نہیں۔ تمام مسلمانوں کی جہاں بینی بھی ایک ہی قسم کی ہے۔ ان کی تہذیب بھی مشترک ہے اور ان کا تمدن بھی نہایت ہی شاندار، باعظمت اور پرشکوہ ہے۔ جہاں بینی، تہذیب، سابقہ تمدن، نظر و بینش، عادات و اطوار، مذہبی اعتقادات و پرستش اور اجتماعی آداب و رسوم میں وحدت و یگانگی انہیں قوم واحد کی شکل دے سکتی ہے۔ اس طرح وہ ایسی عظیم طاقت اور دیوار بن سکتے ہیں کہ دنیا کی بڑی طاقتیں مجبور رہوں کہ ان سے عجز و انکساری کے ساتھ پیش آئیں۔ اسلام نے تو اس بات پر خاص طور سے زور دیا ہے کہ قرآن جیسی کتاب کے صریح الفاظ میں مسلمان ایک دوسرے کے بھائی ہیں اور چونکہ ہر ایک کا دوسرے پر حق ہے اسی لئے ان میں باہمی ربط ہے اس وضع و کیفیت کے پیش نظر آخر کیا وجہ ہے کہ دین اسلام کے اس قدر بابرکت و وسیع امکانات کے باوجود مسلمان اس کا فائدہ نہیں اٹھاتے۔

علمائے اسلام کے اس گروہ کی نظر میں کوئی بھی ضرورت اس امر کی متقاضی نہیں کہ اسلامی اتحاد کی خاطر مسلمین اپنے مسالک کے اصول یا ان کے فروعات میں کسی مصلحت یارواداری سے کام لیں۔ اسی طرح اس بات کی بھی ضرورت نہیں کہ مسلمین ان اصول و فروعات کے متعلق جن میں باہمی اختلاف پایا جاتا ہے بحث و استدلال سے کام لیں اور ان پر کتابیں تصنیف و تالیف کریں۔ اسلامی وحدت جس واحد چیز کی متقاضی و متمنی ہے وہ یہ کہ مسلمان سنجیدگی و متانت سے کام لیں تاکہ ان میں دشمنی و کینہ توزی کے احساسات پیدا نہ ہوں اور اگر موجود ہیں تو وہ شعلہ ور نہ ہوں ایک دوسرے کو لعنت و ملامت نہ کریں اور دشنام و بدکلامی کے ساتھ پیش نہ آئیں۔ ایک دوسرے پر اتہام نہ لگائیں۔ آپس میں ایک دوسرے کی منطق و دلیل کا مذاق نہ اڑائیں۔ ایک دوسرے کے احساس و جذبات کو مجروح نہ کریں اور منطق و استدلال کی حدود سے خارج نہ ہوں۔ یا کم از کم وہ شرائط جو اسلام نے غیر مسلموں کو دعوت اسلام دینے کے لئے مسلمان پر لازم قرار دیئے ہیں انہیں ہی آپس میں بروئے کار لائیں۔ **ادع الی سبیل ربک بالحکمۃ و الموعظۃ الحسنۃ و جادلھم بالتی ھی احسن** اے نبی اپنے رب کے راستے کی طرف دعوت دو حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ اور

لوگوں سے مباحثہ کرو ایسے طریقے پر جو بہترین ہو۔[1]

بعض افراد کا خیال ہے کہ صرف وہ فرقے اور مسالک جن کا ایک دوسرے سے فروعی اختلاف ہے جیسے شافعی اور حنفی ایک دوسرے کے بھائی ہو سکتے ہیں اور وہ ایک صف میں کھڑے ہو سکتے ہیں۔ لیکن ایسے فرقے جن کا اصول میں اختلاف نظر ہے کسی طرح بھی ایک دوسرے کے بھائی کہلائے جانے کے مستحق نہیں۔ اس گروہ کی رائے میں مذہبی اصول نے ہی باہمی ربط و تعلق پیدا کر کے سب کو یکجا کر دیا ہے اور اصولیین کی اصطلاح میں اصول مذہبی نے اپنی ہی ایک قسم کا کم یا زیادہ ربط و تعلق پیدا کیا ہے۔ اگر کوئی فرد کسی بلا میں گرفتار ہو جائے تو گویا یہ بلا سب پر نازل ہوئی ہے، اسی طرح اگر مسئلہ امامت میں خلل واقع ہو تو ان اصولوں کے پیروکاروں کی رائے میں وحدت و اخوت منفی کر دی جائے اور اسی بنا پر سنی و شیعہ کسی طرح بھی ایک دوسرے کے بھائی نہیں ہو سکتے اور اپنے مشترک دشمن کا مقابلہ کرنے کے لئے وہ ایک جگہ صف بستہ بھی نہ ہوں گے۔

پہلا گروہ دوسرے گروہ کو یہ جواب دیتا ہے کہ یہ کوئی دلیل نہیں ہے کہ ہم تمام 'اصول' کو اس مجموعے کی مانند سمجھیں جس کی ہر چیز باہمی طور پر پیوستہ و منسلک ہو۔ اور ہم اس قاعدے کی پیروی کریں کہ "یا ہمہ یا ہیچ" (یا تو تمام اصول پر عمل کیا جائے یا کسی پر بھی نہیں) یہاں جو قاعدہ کارفرما ہے۔ وہ "المیسور و لا یسقط بالمعسور" یعنی آسان چیز مشکل چیز سے جدا نہیں ہوتی اور مالایدرک کلہ لا یترک کلہ" اور جو چیز مکمل طور پر حاصل نہیں کی جا سکی وہ چیز مکمل طور پر ترک بھی نہیں کی جا سکتی چنانچہ امیر المؤمنین علی علیہ السلام کی ذات و سیرت ہمارے لئے بہترین اور آزمودہ ترین درس ہے آپ نے وہی معقول اور منطقی راہ و روش اختیار کی جو آپ جیسی باعظمت شخصیت کے شایان شان تھی۔

حضرت علیؑ نے اپنا حق تسلیم کرانے کے لئے کسی بھی سعی و کوشش سے دریغ نہ کیا۔ اور جتنے بھی امکانات تھے وہ ان سب کو بروئے کار لائے تا کہ باقاعدہ امامت کا احیاء کر سکیں مگر انہوں نے کبھی بھی "یا ہمہ یا ہیچ" یا سب کچھ یا کچھ بھی نہیں اور بالفاظ دیگر تخت یا تختہ کے قاعدے پر عمل نہ کیا اس کے برعکس انہوں نے اپنے کام کی بنیاد اس قول کو قرار دیا۔ "لایدرک کلہ لایترک کلہ"۔

حضرت علیؑ نے خلافت سے محروم ہونے کے باوجود علم بغاوت بلند نہیں کیا۔ جس کی وجہ سے ان

۱- سورۂ نحل آیت ۱۲۵

کی لاچارگی یا بے دست و پائی نہ تھا بلکہ یہ فیصلہ انہوں نے حالات کا جائزہ لینے کے بعد خوب سوچ سمجھ کر کیا تھا اور ان کا یہ عمل اضطراری نہیں، اختیاری تھا۔ انہیں مرنے کا ڈر نہ تھا۔ اور جب انہیں موت کا خوف نہ تھا تو انہوں نے علم بغاوت کیوں بلند نہیں کیا؟ کیونکہ حضرت علی پورے حالات کا جائزہ لینے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے تھے کہ اسلام کی فلاح و بہبود کا تقاضہ یہی ہے کہ موجودہ حالات میں حکومت کی مخالفت کرنے کے بجائے ان لوگوں کے ساتھ تعاون کریں اور ان کے قدم کے ساتھ قدم ملا کر چلیں چنانچہ اس کی صراحت آپ کتنی ہی مرتبہ کر بھی چکے ہیں۔

مالک اشتر کو جو آپ نے خطوط لکھے ہیں ان میں سے ایک خط میں (یہ خط نہج البلاغہ میں شمارہ ۶۲ کے تحت مندرج ہے) آپ لکھتے ہیں۔ "فامسکت یدی حتی رایت راجعة الناس قد رجعت عن الاسلام، یدعون الی محو دین محمد صلی اللہ علیہ و آلہ فخشیت ان لم انصر الاسلام و اھلہ اری فیہ ثلما او ھدما تکون المصیبة بہ علی اعظم من فوت و لایتکم الی انما ھی متاع ایام قلائل" میں پہلا شخص تھا جس نے جنگ سے ہاتھ کھینچ لیا کیونکہ میں نے دیکھ لیا تھا کہ عوام میں سے ایک گروہ اسلام سے برگشتہ ہو رہا ہے اور اسلام کو نیست و نابود کرنے کے لئے وہ لوگوں کو دعوت دے رہا ہے۔ یہ دیکھ کر میں ڈر گیا اور سوچا کہ اگر اسلام اور مسلمانوں کی مدد کے لئے میں نہ اٹھوں گا تو اسلام میں شگاف اور انہدام پیدا ہو جائے گا اور اس تباہی و بربادی کی مدت خلافت سے کہیں زیادہ عرصے کے لئے ہوگی۔ کیونکہ خلافت تو چند روزہ ہی ہے۔